طاہر عباس* ڈاکٹر لیاقت علی**

قیامِ پاکستان سے قبل منٹو شناسی کی روایت

Abstract: *Sa'adat Hassan Manto is a one of the most famous and controvertial Urdu short story writers. Manto has been continousely a discussing topic controversy of Urdu fiction critics. His was due to presentation of sex & nude aspects of human life & culture. His era and society were not accepting his ideas & fiction subjectivity so we seek the fact that Manto was being hated & ignored at ethical, legal, social and literary grounds. This article is an intensive study of critic views about Manto before partition.*

افسانوں، ڈراموں، خاکوں اور مضامین کے اڑتیس مجموعوں کے خالق سعادت حسن منٹو ۱۱ر مئی ۱۹۱۲ء کو سمبڑیالہ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد سب جج غلام حسن منٹو کی دوسری اہلیہ سردار بیگم کے بطن سے تھے۔ غلام حسن منٹو نے اپنی پہلی بیوی جان بالی کے اختلال ذہنی کے سبب دوسری شادی کی تھی جسے ان کے خاندان نے ناپسند کیا چنانچہ سردار بیگم، سعادت حسن منٹو اور ان کی بڑی بہن ناصرہ اقبال کے ساتھ نہ صرف منٹو خاندان کا رویہ بیگانوں کا سا رہا بلکہ خود غلام حسن منٹو بھی ان تینوں کو وہ محبت نہ دے سکے جو پہلی بیوی اور اس کی اولاد کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ انیس ناگی منٹو کو Neglected Child قرار دیتے ہیں۔(۱) حقیقت یہی ہے کہ منٹو عمر بھر خاندانی محبت سے محروم رہے۔ منٹو کے قریبی دوست ابو سعید قریشی کے بقول:

> ''اس کے والد منصف تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ سعادت کی والدہ ان کی دوسری بیوی تھیں۔ منصف صاحب نے اپنی پہلی اہلیہ کی اولادوں کی تعلیم و تربیت پر اتنی توجہ کی کہ ان کی وفات کے بعد چھوٹی بیگم اور ان کی دو اولادوں سعادت اور اس کی بڑی بہن ناصرہ اقبال کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچا۔۔۔ تلخ یادوں کے سوا۔''(۲)

خاندان کی بے رخی، معاشی پس ماندگی اور عدم قبولیت سے پیدا ہونے والے احساسِ کمتری نے منٹو کو ضدی، شریر اور چڑچڑا بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ تدریسی کتابیں پڑھنے کی بجائے منٹو فلمی رسالے اور ڈائجسٹ پڑھتے، عجیب و غریب شرارتیں کرتے اور پتنگیں اڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ میٹرک کا امتحان تین بار ناکامی کے بعد چوتھی کوشش میں ۲۳ر مئی ۱۹۳۱ء کو پاس کیا۔ (۳)

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

باری علیگ کے اخبار "مساوات" میں ملازمت کے سبب امر تسر آمد منٹو کے لیے مبارک ثابت ہوئی۔ معروف مارکسی دانشور باری علیگ نے فلمی اداکاراؤں کے دلدادہ اور مارلن ڈیٹرخ کی ٹانگوں کے دیوانے سعادت حسن منٹو کو "بھگت سنگھ" سے متعارف کرایا۔ انہی کے اصرار پر منٹو نے پہلا فلمی تبصرہ لکھا اور اس کے بعد روسی اور فرانسیسی ادیبوں کے افسانوں اور مضمون کے تراجم کے ساتھ ساتھ وکٹر ہیوگو کی تصنیف The Last Days of Condemned اور آسکر وائلڈ کی کتاب "ویرا" کو اردو میں منتقل کیا۔ ساتھ ہی "ہمایوں" اور "عالمگیر" کے روسی اور فرانسیسی ادب نمبر بھی مرتب کیے۔ جس طرح منٹو کی پہلی تحریر (فلمی تبصرہ) باری علیگ کے اخبار "مساوات" میں شائع ہوئی تھی، اِسی طرح منٹو کا پہلا طبع زاد افسانہ "تماشا" بھی انہی کی ادارت میں نکلنے والے رسالے "خلق" میں شائع ہوا۔ یوں سعادت حسن منٹو کو "ٹامی" سے منٹو بنانے میں باری علیگ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ منٹو کی ابتدائی ادبی زندگی میں پائی جانے والی انقلابیت، جو اُن کے پہلے افسانے "تماشا" اور افسانوی مجموعے "آتش پارے" کے عنوان اور اس میں شامل افسانوں کے موضوعات سے عیاں ہوتی ہے؛ باری علیگ ہی کی صحبت کا نتیجہ قرار دی جاسکتی ہے۔

باری علیگ تو چند مہینے گزارنے کے بعد اپنی 'رن چھوڑیت' کے طفیل امر تسر سے سدھار گئے لیکن منٹو کے دل میں ادب و انقلاب کا جو بیج بو گئے تھے؛ وہ مسلسل پرورش پاتا رہا۔ یہ الگ بات کہ منٹو ایک عرصہ تک انقلاب روس سے متاثر رہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو صرف یہیں تک محدود نہیں رکھا بلکہ سماج میں موجود ہمہ قسمی ناانصافیوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ چنانچہ اُن کے افسانوں میں عام اور متوسط طبقوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور ان کے جنسی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی استحصال کو موضوع بنایا گیا۔

راشد الخیری سے لے کر سعادت حسن منٹو کے افسانوی عہد تک کے درمیانی عرصہ میں گو کہ سلطان حیدر جوش، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری، حجاب امتیاز علی کے علاوہ درجنوں نام گنائے جاسکتے ہیں لیکن سوائے پریم چند کے کوئی اور افسانہ نگار فن کی بلندیوں کو نہ چھو سکا۔ معاشی، معاشرتی، اصلاح پسندی، رومانیت اور انگارے گروپ کی بغاوت، منٹو اور اس کے معاصرین کو موضوعات کے لحاظ سے بہت مختصر روایت ورثہ میں ملی۔

جنس اور اس سے وابستہ مسائل کا بیان اُن کے عہد کا اجتماعی رجحان تھا جس میں اکیلے سعادت حسن منٹو کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ عصمت چغتائی، ممتاز مفتی، ایم اسلم، عزیز احمد اور سجاد حیدر یلدرم وغیرہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ادیب جنسی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو اپنی تحریروں میں پیش کر رہے تھے۔ منٹو اِس ضمن میں سب سے زیادہ بدنامی مول لے بیٹھے۔ چنانچہ حکومتی، مذہبی، اخلاقی اور صحافتی علمبرداروں نے انہیں جنس زدہ اور فحش ٹھہراتے ہوئے معتوب قرار دے دیا۔ منٹو کے افسانوں 'کالی شلوار'، 'بو' اور 'دھواں' پر چلنے والے مقدمات کے پس پردہ یہی چاروں عوامل تھے جنہوں نے منٹو کو بدنام تو کر دیا لیکن شہرتِ عام بھی دلوائی۔ اس سلسلہ میں برصغیر پاک و ہند سے شائع ہونے والے اخبارات خصوصاً 'آئینہ'، 'خیام'، 'پربھات'، 'دین و دنیا' اور 'اخوت' نے منظم طریقے سے منٹو کے افسانوں کے خلاف ردِ عمل ظاہر کیا۔(۴)

قیام پاکستان سے قبل سعادت حسن منٹو کے تین افسانوں 'کالی شلوار'، 'بو'، 'دھواں' اور ایک مضمون 'ادبِ جدید' پر مقدمہ چلایا گیا۔(۵) گو منٹو ہر بار اِن افسانوں پر لگائے گئے الزامات سے قانونی طور پر مبرا قرار دیئے گئے لیکن اِن مقدمات نے بہت سے مباحث کو جنم دیا۔ فحش اور غیر فحش کی قانونی، اخلاقی اور مذہبی تحدید، ادیب کی منشا، عالمی ادب کے بڑے ادیبوں پر چلائے گئے فحاشی کے مقدمات اور فیصلے، استغاثہ کے الزامات، صفائی کے گواہوں کا موقف اور منصفین کے فیصلے، غرض منٹو پر قائم مقدمات نے اردو افسانے اور اسکے موضوعات کے باب میں بہت سے سوالات اٹھائے اور ہر ایک نے بساط بھر اپنے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا۔ منٹو نے ان مقدمات کی پیروی کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر کی بھرپور وضاحت کی(6)۔ اِس دور میں جب افسانوی ادب میں تنقیدی شعور اِس حد تک پختہ نہیں ہوا تھا کہ اِس قسم کے مباحث اٹھائے جاتے، منٹو ایک ماہر نقاد کی طرح اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس عمدگی اور وضاحت کے ساتھ منٹو نے جنس کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے "(۷) اسے مدِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان سے قبل منٹو ہی کو خود نقاد قرار دیا جا سکتا ہے۔

اردو افسانے نے بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے میں آنکھ کھولی۔ چنانچہ منٹو کے عہد کو اُن کا سنِ بلوغت ہی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ منٹو اور اس کے معاصرین کو جو روایت ملی وہ زمانی اعتبار سے مختصر اور عددی لحاظ سے چند قابلِ ذکر افسانہ نگاروں پر مشتمل تھی۔ اِس دور کے ادیبوں کے سامنے ایسے نمونے نہیں تھے جنہیں نشانِ منزل بنا کر آگے سفر کیا جاتا۔ چنانچہ بہت سے ادیبوں نے فن اور تکنیک کے معاملہ میں غیر ملکی افسانہ نگاروں کی طرف رجوع کیا۔ سعادت حسن منٹو پر موپساں اور راجندر سنگھ بیدی پر چیخوف کے اثرات کا سبب یہی مجبوری تھی۔ اِس عہد کے کئی افسانہ نگاروں نے لہجے، اسلوب، موضوعات اور تکنیک کے مختلف دھارے منتخب کیے اور خوب نام کمایا لیکن جنس نگاری، فحاشی اور عریانی اس عہد کا مشترک رویہ تھا جس کے حق اور مخالفت میں کئی مکتبۂ فکر اپنے اپنے طور پر خامہ فرسائی کر رہے تھے۔ پریم چند کی واقعیت اور مثالیت پسندی، سجاد حیدر یلدرم کی رومانیت اور 'انگارے گروپ' کی بغاوت کے بعد جنسی معاملات کا طوائف کی مدد سے کھلا اظہار معاشرتی اور اخلاقی روایات کے نام نہاد علمبرداروں کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مصلحانِ معاشرہ طوائف کے وجود کو توبخوشی قبول کیے ہوئے تھے لیکن افسانوں یا اس قسم کی دیگر تحریروں میں اس کا وجود ناقابل برداشت گردانتے تھے۔ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا ماہر القادری، راجہ صاحب آف محمود آباد، چودھری محمد حسین اور دیگر 'اخلاق یافتگان' کے ساتھ ساتھ ادب کے ناقدین کا رویہ بھی ان افسانہ نگاروں کے ساتھ جو جنسی موضوعات کو برت رہے تھے؛ قطعاً ہمدردانہ دکھائی نہیں دیتا۔ جب مثالیت پرستی، اصلاح پسندی اور رومانیت کے برعکس افسانہ نگار جسم اور جنس کی بھوک کے گرد اپنا تانا بانا بننے لگے تو روایت پسند حلقوں کے ساتھ ساتھ تنقید کے میدان میں بھی اس رویے کو تلذذ آمیز، فحش اور مریضانہ قرار دیا گیا۔

اگرچہ تنقید کا حال بھی افسانے سے مختلف نہ تھا، اُس میں بھی افسانے کی طرح ہمارے ادب نے ترقی نہیں کی تھی۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' سے جس صنف (تنقید) کا باقاعدہ آغاز ہوا؛ ظاہر ہے کہ اس کے اصول و ضوابط اور ادب کو پرکھنے کے پیمانے بذاتِ خود تشکیل کے مراحل میں تھے۔ افسانے کی تنقید میں پریم چند کے سوا دوسرا کوئی بڑا نام اس دور میں نظر نہیں آتا جس کو ہمارے ناقدین نے

عمومی طور پر سراہا ہو۔ چنانچہ اس دور کے کسی افسانہ نگار کے فکر اور فن پر انفرادی مضامین لکھنے کی بجائے عموماً اجتماعی قسم کے جائزے ہی لیے گئے۔ اِن میں سے زیادہ تر مضامین میں عورت، جنسیت، طوائفیت، عریانیت اور مریضانہ ذہنیت کو افسانہ نگاروں کے اعصاب پر سوار قرار دیا گیا ہے۔

بشیر ساجد اپنے ایک مضمون' پنجاب کا ایک افسانہ نگار' میں 'ادب لطیف' کے سوالنامہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہونے والے افسانوں کا حوالہ دیتے ہوئے اس بات کا رونا روتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسالہ میں شامل تیرہ میں سے پانچ افسانے " طوائف " کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ گویا گزشتہ صدی میں ہماری شاعری پر عورت سوار تھی اور اب افسانوی ادب پر چھائی جاتی ہے۔(۸)

مولانا صلاح الدین احمد مدیر 'ادبی دنیا' نے جدید افسانہ نگاروں کو؛جو فرائیڈ، مارکس اور ڈی ایچ لارنس کے معتقد تھے، نہ صرف مرد بلکہ ان میں خواتین (عصمت چغتائی، ڈاکٹر رشیدہ جہاں اور حجاب امتیاز علی) بھی شامل تھیں، مجموعی طور پر جنس زدہ قرار دیا۔ چنانچہ مرزا محمد ہادی رسوا اور مرزا محمد سعید دہلوی کی شاہد بازاری، جسے وہ اپنے ناولوں میں ضرورتاً گھسیٹ لائے تھے؛ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اگرچہ اب پھر ہمارے بعض ترقی پسند افسانہ نگار خصوصاً سعادت حسن منٹو اِسے نہیں بلکہ اس کی اسفل قسم کو واپس لانے کے لیے مضطرب ہیں۔ ہمارے ناولوں کی زینت تو وہ شائستہ اطوار طوائف تھی جس کے ہاں امیر زادے آدابِ محفل سیکھنے کے لیے بھیجے جاتے تھے مگر اب ہمارے " ترقی یافتہ " ادب میں اس کی جگہ کوٹھڑی میں رہنے والی کسبی نے لے لی ہے۔ "(۹)

آفتاب احمد نے اپنے مضمون' جدید اردو افسانہ' میں افسانہ نگاروں پر تنقید کرنے کی بجائے ان عام رجحانات کا جائزہ لیا جو جدید افسانوی ادب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ بیسوا کے ساتھ ساتھ انہوں نے اچھوتے اور نئے موضوعات کی تلاش اور جنس کو اس عہد کا اجتماعی رویہ قرار دیتے ہوئے کہا:

> "ہمارے بعض نئے افسانہ نگار اچھوتے پن کے جوش میں اس حقیقت کو فراموش کیے جا رہے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے کیا پیش کر رہے ہیں اور ہماری زندگی میں اس کی کیا قدر و قیمت ہے ۔"(۱۰)

سعادت حسن منٹو کو بھی وہ انہی میں سے ایک افسانہ نگار قرار دیتے ہیں۔ مولانا صلاح الدین احمد اپنے ایک اور مضمون "ہمارے افسانوں کی تشبیہیں اور تمثیلیں " میں عمومی طور پر افسانہ نگاروں کے یہاں استعمال ہونے والی تشبیہات پر بحث کرتے ہوئے منٹو کے تشبیہاتی نظام کا جائزہ اِس طرح لیتے ہیں:

''سعادت حسن منٹو کا کم و بیش ہر افسانہ ایسی تشبیہات سے لبریز نظر آتا ہے جن سے کلاسیکی حسن تو قطعاً غائب ہے لیکن جن میں ہماری معاشرت کی یاسیت اور تلخی امڈ امڈ کر گرتی ہے۔ منٹو ایک ایسی نسل کا نمائندہ ہے جسے ہمارے آسودہ ماضی سے کوئی وابستگی اور دلچسپی نہیں۔ ان کے ماحول میں پرانی سماجی قدریں مٹتی جارہی ہیں اور ان کے ساتھ روایاتی ادب کے مظاہر بھی غائب ہورہے ہیں، اس لیے تشبیہیں اگر ایک باغیانہ صورت اختیار کرلیں تو تعجب نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں منٹو کی تشبیہات میں جو ایک شدت اور حملہ پایا جاتا ہے، وہ اس سماجی دباؤ کا نتیجہ ہے جس سے فنکار یا اس کے ٹائپ کا نوجوان دوچار ہا ہے۔''(۱۱)

ذکی الدین پامال ایم۔ اے اپنے مضمون' ترقی پسند ادب' میں سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کو ترقی پسند افسانہ نگار اور ان کے افسانوں خصوصاً' بو' اور 'لحاف' کو فحش اور لذت کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کالی شلوار میں عریانی اتنے جوبن پر نہیں جتنی'' بو''میں ہے۔ شاید ان کے نزدیک ترقی کی یہی معراج ہوگی مگر یہ ترقی نہیں پستی ہے۔''(۱۲)

اس مضمون میں وہ' ہتک' کو جنسی مسائل سے متعلق منٹو کا بہترین افسانہ جب کہ' بو' کو اپنے مقصد میں ناکام افسانہ ٹھہراتے ہیں۔ انہوں نے منٹو کی اس رائے سے بھی اختلاف کیا جس میں انہوں نے اس ماحول کے خاتمے پر اصرار کیا تھا جو اس قسم کے ادب کی تخلیق کا اصل سبب ہے۔ مضمون نگار کے مطابق اس قسم کے حالات کے خاتمے کے لیے عریاں افسانے اور نظمیں ہرگز کام نہیں آسکتیں۔ مجموعی طور پر انہوں نے جنس اور اس سے متعلقات پر لکھے گئے افسانوں اور جدید افسانہ نگاروں کے جنسی رجحانات کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ وقار عظیم' اردو افسانے کے پچیس سال' میں افسانے کی پچیس سالہ روایت کا جائزہ لیتے ہوئے منٹو کے ذیل میں صرف اس قدر لکھتے ہیں:

''پھر کچھ افسانہ نگاروں کے یہاں عمر کی ایک خاص منزل کے جذبات کی نفسی تحلیل ہے مثلاً منٹو، حسن عسکری، عصمت چغتائی اور ممتاز مفتی میں سے ہر ایک کا بنیادی موضوع جنس کے جذبہ کا ایک غیر محسوس عمل ہے۔''(۱۳)

اِن تمام تنقیدی مضامین میں اردو افسانے کی روایات اور رجحانات کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے اور منٹو سمیت کسی بھی افسانہ نگار کے فن پر انفرادی مضمون نہیں لکھا گیا۔ دوسرے یہ کہ فحاشی کا الزام صرف منٹو پر ہی نہیں لگایا گیا بلکہ اسے ایک مجموعی رویہ قرار دیا گیا جس کا جدید افسانہ نگاروں کی بڑی تعداد شکار ہوئی۔ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا تاجور نجیب آبادی ایسے اخلاق پسند اور چودھری محمد حسین ایسے قانون پسند اور سادہ لوح افراد کا منٹو کی تحریروں کو پڑھ کر اضطراب میں آنا بہر حال معنی رکھتا ہے۔ اِسی طرح، مولانا صلاح الدین احمد، بشیر ساجد، ذکی الدین پامال ایم۔ اے اور آفتاب احمد چونکہ فکری اور فطری طور پر جنسی موضوعات کو پسند نہیں کرتے تھے؛ اِس لیے ان کے

اعتراضات بھی بے جواز نہیں لیکن حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب عزیز احمد ایسے ترقی پسند اور بذاتِ خود عریاں ناول نگار 'ترقی پسند ادب' میں منٹو کو متلذذ اور جنسی مریض قرار دیتے ہیں۔(۱۴) ممتاز شیریں، عزیز احمد کے رویے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "نظریاتی طور پر عزیز احمد صاحب نے جو باتیں کہی ہیں، خوب کہی ہیں لیکن لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ ناصحانہ انداز، گریز اور ہوس، جیسے ناولوں اور نمایاں طور پر جنسیاتی افسانوں کے مصنف نے اختیار کیا ہے۔ عزیز احمد کی تنقید کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کی ایک ایک بات منٹو، عسکری یا عصمت چغتائی سے کہیں زیادہ خود عزیز احمد پر صادق آتی ہے۔"(۱۵)

منٹو شناسی کی روایت میں ادبی رسائل و جرائد کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے منٹو کی تشکیل و تعمیر سے لے کر اس کے فن کے اختتام بلکہ اس کے بعد بھی منٹو کی تحریروں کو مسلسل شائع کیا۔

ساقی، ہمایوں، ادبِ لطیف، نیرنگِ خیال، سویرا، عالمگیر اور اس دور کے دیگر ادبی رسائل میں منٹو کے افسانے اور تراجم مسلسل شائع ہوتے رہے۔ اس ضمن میں ساقی اور ہمایوں کا کردار سب سے اہم رہا۔ ساقی میں منٹو کی شائع ہونے والی تحریروں کی تعداد اکتالیس(۱۶) جب کہ ہمایوں میں منٹو کی مجموعی طور پر طبع زاد اور ترجمہ شدہ تحریروں کی تعداد پندرہ(۱۷) ہے۔ قیامِ پاکستان تک منٹو کے تراجم، افسانوں، ڈراموں اور مضامین کے سولہ (۱۸) مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ اِن سولہ مجموعوں کے علاوہ مختلف ادبی رسائل و جرائد میں بھی منٹو کی تحریریں مسلسل اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ منٹو اچھی خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے لیکن اِس کے باوجود تقسیم سے قبل مبصرین اور ناقدین نے منٹو کے فکر و فن پر چنداں توجہ نہ کی۔ مجموعی نوعیت کے جائزوں میں جہاں دیگر اہم اور غیر اہم افسانہ نگاروں کا تذکرہ کیا گیا، وہیں ایک آدھ پیراگراف یا چند جملے اور بعض اوقات تو محض اشاروں سے ہی کام چلایا گیا۔ اِن مضامین میں بھی منٹو کی تحسین کی بجائے اسے مجموعی طور پر جنس زدہ، سنکی اور نفسیاتی مریض گردانا گیا اور یوں شہرتِ عام حاصل کرنے کے باوجود قیامِ پاکستان سے قبل تحریری سطح پر منٹو پر کی جانی والی تنقید نہ ہونے کے برابر ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل منٹو کی شخصیت، فکر اور فن سے متعلق کسی بھی ناقد یا ادیب نے خصوصی انفرادی مضمون نہیں لکھا۔

حوالہ جات:

۱۔ انیس ناگی، ""سعادت حسن منٹو"، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۳۰۔

۲۔ ابو سعید قریشی، "منٹو"، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۷۔

۳۔ ڈاکٹر علی ثنا بخاری نے پی ایچ ڈی کے غیر مطبوعہ مقالہ "سعادت حسن منٹو، سوانح اور ادبی کارنامے" میں دستاویزات / ریکارڈ کے ذریعے اس غلط فہمی کو دور کیا کہ منٹو میٹرک میں دو بار فیل ہوئے تھے۔ مقالہ نگار کے مضمون" منٹو کے بارے میں چند غلط فہمیاں" مشمولہ "انگارے"، جنوری ۲۰۰۵ء، منٹو نمبر، ص ۲۳ میں بھی اس بحث کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اِن اخبارات میں منٹو کے افسانہ" بو" اور مضمون ادب جدید کے خلاف شائع ہونے والے تبصرے منٹو کی کتاب" لذتِ سنگ"، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۴۸ء میں ملاحظہ کیجئے۔

۵۔ تفصیلات کے لیے:

i۔ سعادت حسن منٹو،" لذتِ سنگ"، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۴۸ء۔

ii۔ نواز چودھری، (مرتب)، "دستاویز"، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، سن ندارد۔

iii۔ فرید احمد، (مرتب)، "دائیں بائیں، اوپر نیچے"،

iv۔ انیس ناگی، (مرتب)، " منٹو کے مقدمات"،

۶۔ منٹو نے" لذتِ سنگ" کے علاوہ کئی مقامات پر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ نوید الحسن کے غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔ اے، "منٹو شناسی کی روایت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء میں" منٹو خود شناسی" کے عنوان سے پورا باب شامل کیا گیا ہے۔

۷۔ جسم کی بھوک سے پیٹ کی بھوک مراد لیا گیا ہے۔

۸۔ بشیر ساجد،" پنجاب کا ایک افسانہ نگار" مشمولہ "ہمایوں"، نومبر ۱۹۴۲ء، جلد ۴۲، شمارہ ۵، ص ۸۳۴۔

۹۔ مولانا صلاح الدین احمد،" اردو افسانے کے جدید رجحانات" مشمولہ" ادبی دنیا"، جنوری ۱۹۴۳ء، جلد ۲۱، شمارہ ۰۱، ص ۱۱۔

۱۰۔ آفتاب احمد،" جدید اردو افسانہ" مشمولہ" ہمایوں"، اگست ۱۹۴۳ء، جلد ۴۴، شمارہ ۲، ص ۳۳۰۔

۱۱۔ مولانا صلاح الدین احمد،" ہمارے افسانوں کی تشبیہیں اور تمثیلیں" مشمولہ" ہمایوں"، جنوری ۱۹۴۴ء، سالگرہ نمبر، جلد ۴۵، شمارہ ۰۱، ص ۲۹۔

۱۲۔ ذکی الدین پامال، ایم۔ اے،" ترقی پسند ادب" مشمولہ" ادبی دنیا"، جون ۱۹۴۵ء، جلد ۲۳، شمارہ ۰۶، ص ۵۵۔

۱۳۔ وقار عظیم، سید،" مختصر افسانہ کے پچیس سال" مشمولہ" ہمایوں"، جنوری ۱۹۴۷ء، سلور جوبلی نمبر، جلد ۵، شمارہ ۔۔۔۔، ص ۴۹:۵۰۔

۱۴۔ عزیز احمد،" ترقی پسند ادب"، حیدر آباد دکن، طبع اول ۱۹۴۵ء، ص ۱۹۸:۲۰۸۔

۱۵۔ ممتاز شیریں،" بنیادی گناہ جنس" مشمولہ" منٹو: نوری نہ ناری"، (مرتبہ) آصف فرخی، مکتبہ اسلوب کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۳۔

۱۶۔ ماہنامہ" ساقی" کراچی میں منٹو کی شائع شدہ تحریروں کی فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔ جی آیا صاحب، جلد ۱۱، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۳۵ء	۲۔ چوری، جلد ۱۱، شمارہ ۵، مئی ۱۹۳۵ء
۳۔ خونی تھوک، جلد ۱۲، شمارہ ۲، اگست ۱۹۳۵ء۔	۴۔ ترگنیف کی موت، جلد ۱۲، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۳۵ء
۵۔ میرا ہم سفر، جلد ۱۳، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۳۶ء	۶۔ دیوانہ شاعر، جلد ۱۴، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۳۶ء
۷۔ میکسم گورکی، جلد ۱۴، شمارہ ۲، اگست ۱۹۳۶ء	۸۔ پھاہا، جلد ۹، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۹ء

۹۔ شوشو، جلد ۱۹، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۳۹ء
۱۰۔ ایکٹرس کی آنکھ، جلد ۲۰، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۳۹ء
۱۱۔ محبت کی پیدائش، جلد ۲۰، شمارہ ۵، اکتوبر ۱۹۳۹ء
۱۲۔ لالٹین، جلد ۲۱، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۴۰ء
۱۳۔ آؤ خط سنو، جلد ۲۱، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۰ء
۱۴۔ آؤ چوری کریں، جلد ۲۱، شمارہ ۵، مئی ۱۹۴۰ء
۱۵۔ آؤ کھوج لگائیں، جلد ۲۱، شمارہ ۶، جون ۱۹۴۰ء
۱۶۔ اس کا پتی، جلد ۲۲، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۴۰ء
۱۷۔ تین تحفے، جلد ۲۲، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۴۰ء
۱۸۔ نپولین کی موت، جلد ۲۲، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۴۰ء
۱۹۔ کبوتروں والا سائیں، جلد ۲۲، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۴۰ء
۲۰۔ دس روپے، جلد ۲۳، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۴۱ء
۲۱۔ دیہاتی بولیاں، جلد ۲۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۴۱ء
۲۲۔ تین موٹی عورتیں، جلد ۲۳، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۱ء
۲۳۔ مسز ڈی کوسٹا، جلد ۲۳، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۴۱ء
۲۴۔ نیلی رگیں، جلد ۲۳، شمارہ ۵، مئی ۱۹۴۱ء
۲۵۔ ترقی پسند، جلد ۲۳، شمارہ ۶، جون ۱۹۴۱ء
۲۶۔ سجدہ، جلد ۲۴، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۴۱ء
۲۷۔ اگر، جلد ۲۴، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۴۱ء
۲۸۔ دھواں، جلد ۲۴، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۴۱ء
۲۹۔ شاعرہ کی موت، جلد ۲۴، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۴۱ء
۳۰۔ تیمور کی موت، جلد ۲۴، شمارہ ۰۶، دسمبر ۱۹۴۱ء
۳۱۔ نیا سال، جلد ۲۵، شمارہ ۲، فروری ۱۹۴۲ء
۳۲۔ چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد، جلد ۲۵، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۲ء
۳۳۔ مس فریا، جلد ۲۵، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۴۲ء
۳۴۔ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی، جلد ۲۵، شمارہ ۵، مئی ۱۹۴۲ء
۳۵۔ آم کے ٹوکرے، جلد ۲۵، شمارہ ۶، جون ۱۹۴۲ء
۳۶۔ بلاؤز، جلد ۲۶، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۴۲ء
۳۷۔ مسز ڈی سلوا، جلد ۲۶، شمارہ ۲، اگست ۱۹۴۲ء
۳۸۔ کچھ اور باتیں، جلد ۲۶، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۴۲ء
۳۹۔ ترقی یافتہ قبرستان، جلد ۲۷، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۴۳ء
۴۰۔ بی زمانی بیگم، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۴۶ء

۱۷۔ ماہنامہ ''ہمایوں'' لاہور کے مختلف شماروں میں منٹو کی درج ذیل پندرہ تحریریں اشاعت پذیر ہوئیں:

۱۔ شیطان اور شراب، جلد ۲۵، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۴ء
۲۔ سپاہی اور موت، جلد ۲۵، شمارہ ۶، جون ۱۹۳۴ء
۳۔ چھبیس مزدور اور ایک دوشیزہ، جلد ۲۶، شمارہ ۲، اگست ۱۹۳۴ء ۴۔ میکسم گورکی، جلد ۳۶، شمارہ ۶، دسمبر ۹۳۴ء،
۵۔ تلوّن (ڈرامہ)، جلد ۳۸، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۴۰ء ۶۔ مسز (افسانہ)، جلد ۳۵، شمارہ ۲، فروری ۱۹۳۹ء
۷۔ تماشا گاہ نفس (ڈرامہ)، جلد ۲۹، شمارہ ۲، فروری ۱۹۳۶ء ۸۔ تجدید اسلحہ، جلد ۳۱، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۷ء
۹۔ شغل (افسانہ)، جلد ۳۱، شمارہ ۵، مئی ۱۹۳۷ء ۱۰۔ دست بریدہ (افسانہ)، جلد ۲۸، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۳۵ء
۱۱۔ ریچھ (ڈرامہ)، جلد ۲۷، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۵ء ۱۲۔ طاقت کا امتحان (افسانہ)، جلد ۲۷، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۳۵ء
۱۳۔ بگلا (افسانہ)، جلد ۳۶، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۳۹ء ۱۴۔ خودکشی کا اقدام (افسانہ)، جلد ۳۴، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۳۸ء
۱۵۔ نیا قانون (افسانہ)، جلد ۳۳، شمارہ ۱ (سالگرہ نمبر)، جنوری ۱۹۳۸ء۔

۱۸۔ علی ثنا بخاری، ڈاکٹر: '' سعادت حسن منٹو (کتابیات) ''، ص ۱۲:۰۸۔

☆☆☆☆☆